## سُوْرَۃُ الحِجر کی تفسیر

## Lesson 1: Hijr (Ayaat 1- 50): Day 5

فرشتوں نے اللہ کا حکم سُن کے کیا کِیا:

فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ﴿٣٠﴾ چنانچہ تمام فرشتوں نے سجدہ کیا۔

لفظ اَجْمَعُوْنَ کو دیکھیں یہ نہیں کیا کہ ایک اُٹھا، ڈھیلا ڈھالا چلتا، اچھا سجدہ کرنا ہے۔ نہیں حکم سنا اور سب ایک دم کھڑے ہو گئے۔ بالکل ایک فوج داری کا نظام نظر آتا ہے۔ اللہ کرے ہمارے اندر بھی آجائے۔ ہم تو بات سن کے بھی کتنی دیر سوچتے ہیں کہ یہ میرے لئے نہیں ہے۔ تو اللہ کا حکم سن کر سب جھک پڑے۔ یہ ایک فرشتہ نہیں تھا کہ جو اللہ کا حکم سن کر بیٹھا رہے۔ ان میں جبرائیل بھی تھے میکائیل بھی تھے، اسرافیل بھی تھے اور سب فرشتے تھے۔ سب جھک گئے۔ ہاں صرف ایک نہیں جھکا کون؟

اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ اَبٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ ﴿٣١﴾ سوائے ابلیس کے کہ اُس نے سجدہ کرنے والوں کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔

اَبٰی کہتے ہیں شدت سے کسی چیز سے رُکنا، انکار، بھی عربی زبان کا لفظ ہے لیکن انکار میں اتنی شدت نہیں ہے جتنی اَبٰی میں ہے۔ سورہ بقرہ میں ہم پڑھتے ہیں اس نے تکبر کیا، یعنی آگے سے احتجاج کیا۔ سورہ کہف کی آیت 50 میں ہم پڑھیں گے کہ وہ جنوں میں سے تھا۔ اگر جن تھا تو وہاں کیوں آگیا تو اس کو ہم پڑھ چکے ہیں کہ فرشتوں میں رہتا تھا تو فرشتوں میں آگیا۔

قَالَ يَاۤاِبْلِيْسُ مَا لَكَ اَلَّا تَكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ ﴿۳۲﴾ رب نے پوچھا "اے ابلیس، تجھے کیا ہوا کہ تو نے سجدہ کرنے والوں کا ساتھ نہ دیا؟

اللہ تعالیٰ نے کہا کہ اے ابلیس تجھے کیا ہے، تجھ کیوں اتنی اکڑ کیوں ہے کہ سب سجدہ کر رہے ہیں تو کیوں نہیں کرتا۔ اللہ نے ابلیس سے ڈائریکٹ سوال کیا۔ اب اس کا جواب سنئے اور ہم بھی اپنے جملوں کو خود نوٹ کر لیں کہ کہیں شیطان کی طرح ہم بھی اس طرح کی گستاخیاں تو نہیں کرتے۔

قَالَ لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۳۳﴾ اس نے کہا "میرا یہ کام نہیں ہے کہ میں اِس بشر کو سجدہ کروں جسے تو نے سڑی ہوئی مٹی کے سوکھے گارے سے پیدا کیا ہے"

یہاں سے دیکھیں کہ ابلیس کو بھی ہماری اصل کا پتہ ہے۔ طعنہ دے رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ تو مجھے اس کے سامنے جھکاتا ہے جس کو تو نے جلی ہوئی مٹی سے پیدا کیا۔ یعنی جس انسان کو تو نے حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ سے پیدا کیا، اس کے آگے مجھے جھکاتا ہے۔ اللہ کے حکم کی آگے زبان چلا رہا ہے۔ ایک تو بات نہیں مان رہا اور آگے سے زبان چلا رہا ہے، آگے سے عذر پیش کر رہا ہے اور عقل کا استعمال کر رہا ہے۔

قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ ﴿۳۴﴾ رب نے فرمایا "اچھا تو نکل جا یہاں سے کیونکہ تو مردود ہے۔

اللہ نے کہا بس یہاں سے نکل جاؤ۔ یہ کہاں سے نکل جانا ہے اس کی ایک تفسیر یہ ہے کہ جنت سے نکل جا اور دوسری یہ کہ فرشتوں کے گروہ سے نکل جا۔ سورہ الاعراف میں آتا ہے کہ "نکل جا" سورہ بقرہ میں بھی آتا ہے "سب نکل جاؤ"۔ اللہ تعالیٰ نے فوراً ایک شاہی فرمان دیا کہ یہاں سے فوراً نکل جاؤ۔ تم مردود ہو۔

وَّاِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ ﴿٣٥﴾ اور اب روز جزا تک تجھ پر لعنت ہے"

لعنت سن کر انسان کانپ جاتا ہے۔ پہلے جنت سے نکلوایا، اور کوئی معافی کی گنجائش نہیں ہے۔ آج بھی ہم بہت سے ایسے کام کرتے ہیں جن پر اللہ کی لعنت کا حکم ہے لیکن ہم نہیں چھوڑتے۔ اللہ کہتے ہیں "لعنت اللہ الکاذبین" جھوٹوں پر اللہ کی لعنت، لیکن ہم پھر بھی جھوٹ بولتے ہیں اور دلائل کے ساتھ جھوٹ بولتے ہیں۔ اب اس کی عقل ٹھکانے آئی۔ کہنے لگا؛

قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿٣٦﴾ اُس نے عرض کیا "میرے رب، یہ بات ہے تو پھر مجھے اُس روز تک کے لیے مہلت دے جبکہ سب انسان دوبارہ اٹھائے جائیں گے"

براہِ راست رب کو پکار رہا ہے۔ یہ نہیں کہہ رہا رَبِ آدم، ڈائریکٹ رب کو پکار رہا ہے کہ اے میرے رب! مہلت دے دے جب یہ اٹھائے جائیں گے۔ اپنے اٹھائے جانے کی بات نہیں کر رہا کہہ رہا ہے جب یہ دوبارہ اٹھائے جائیں گے۔ ایک مہلت اس نے لمبی زندگی کی مانگی اور دوسری مہلت جب تک زندگی ہے تب تک لوگوں کو بہکانے کی مانگی۔

قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ﴿٣٧﴾ فرمایا "اچھا، تجھے مہلت ہے

اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ﴿٣٨﴾ اُس دن تک جس کا وقت ہمیں معلوم ہے"

یہ روزِ قیامت کا دن ہو گا۔ اس وقت تک تم زندہ رہو گے۔ جنوں کی عمریں انسانوں کی عمروں سے بہت زیادہ ہوتی ہیں۔ لیکن کوئی ایسا جن نہیں جو تخلیق سے لے کر آج تک زندہ ہو۔ سوائے اس کے جس کو

ابلیس کہا گیا۔ روایات میں اس کا نام "عزازیل" آتا ہے۔ آج جتنے بھی لوگ ہیں وہ اس کی اولاد اور اس کی ذُریت ہیں۔ اس نے دیکھا کہ اب یہ بات نہیں مانی گئی ہے تو کہنے لگا،

قَالَ رَبِّ بِمَآ اَغْوَيْتَنِىْ لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِى الْاَرْضِ وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿٣٩﴾ وہ بولا "میرے رب، جیسا تو نے مجھے بہکایا اُسی طرح اب میں زمین میں اِن کے لیے دل فریبیاں پیدا کر کے اِن سب کو بہکا دوں گا ۔

دوبارہ کہہ رہا ہے اے میرے رب! اپنے بھٹکنے کا الزام اللہ پر لگا رہا ہے۔ کہہ رہا ہے چونکہ تو نے مجھے بھٹکا دیا تو میں ان کے لئے دنیا کو مزین کر دوں گا۔ حالانکہ دنیا تو اللہ پہلے ہی بنا چکا تھا۔ تو یہ دنیا کو آخرت کے مقابلے میں خوبصورت کر کے دکھا رہا ہے۔ گناہوں کو خوبصورت کر رہا ہے، نافرمانیوں کو خوبصورت کر رہا ہے۔ کہہ رہا ہے میں سب کو بہکا دوں گا، دنیا میں ایسی کشش ڈال دوں گا کہ بیکار ہونے کے باوجود لوگوں کو یہ دنیا ہی حسین لگے گی۔ تیرے حکموں کو بھول جائیں گے۔ تیری اس دنیا میں کھو کر رہ جائیں گے۔ اتنی خوبصورت "آخرت" کو پس پشت ڈال دینگے۔ سب میرے پیچھے آئیں گے، ہاں مگر ایک قسم ایسی ہیں جن پر میرا زور نہیں چلے گا اور وہ کون ہوں گے،

اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿٤٠﴾ سوائے تیرے اُن بندوں کے جنہیں تو نے اِن میں سے خالص کر لیا ہو"

کہہ رہا ہے مگر تیرے بندے، عِبَادَكَ۔ شیطان جن سے ڈرتا ہے وہ مخلص لوگ ہیں۔ پیچھے بھی بات ہوئی، ایک لفظ ہوتا ہے مُخلِص ایک ہوتا ہے مُخلَص۔ مُخلِص فاعل ہوتا ہے، کام کرنے والا اور مُخلَص ہوتا ہے 'مُفعل' کا وزن۔ جو خالص کر لیا گیا ہو۔ دونوں میں فرق یہ ہے ایک وہ شخص ہے جو مخلِص ہے، ابھی

تک کوشش کر رہا ہے کہ میرے اندر اخلاص آ جائے۔ شیطان اس سے نہیں ڈرتا۔ اس کو بھی بہکا لیتا ہے۔ اسی لئے بہت سارے لوگ، جو خلوص سے کام کر رہے ہیں لیکن سنت کے طریقے پر نہیں ہیں۔ جو بڑے خلوص سے شرک تک کر رہے ہیں۔ کئی لوگ ایسے ہیں جو غلط سے غلط کام کرتے ہیں لیکن اندر سے نیت خالص نہیں ہیں۔ مُخلص وہ ہے جو اخلاص کے ساتھ اسوۂ حسنہ پر کام کرے۔ سنتوں پر عمل کرنے والا، اللہ کی رضا کے لیے کام کر رہا ہے۔ ایسے انسان پر شیطان کا زور نہیں چلتا۔ شیطان نے خود اپنی بے بسی کا اظہار کر دیا کہ جس چیز سے مجھے ڈر لگتا ہے وہ اخلاص اور سنت کے طریقے ہیں۔

لوگ دین کے نام پہ اِخلاص کے ساتھ جو کام بھی کریں، میں اُن کو بھی بہکادوں گا۔ لیکن جنھوں نے یہ ٹھان لی کہ وہ نبی کے طریقوں سے ادھر سے ادھر نہیں ہونگے ان کو میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ وہ بچ جائیں گے۔ اللہ نے اس کی یہ بات سن کر فرمایا۔

قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيْمٌ ﴿۴۱﴾ فرمایا "یہ راستہ ہے جو سیدھا مجھ تک پہنچتا ہے

اللہ نے کہا کی یہ ایک راستہ ہے جو مجھ تک آتا ہے اور وہ اخلاص کا راستہ ہے۔ اللہ نے کہا مخلص بندہ ہی وہ ہے جو صراطِ مستقیم پر ہے۔ اللہ نے کہا ٹھیک ہے معاملہ طے ہو گیا۔ تو میں نے تجھے مہلت دے دی ۔ مجھ پر پہنچنے کا راستہ سیدھا ہے۔ تم جتنا میں بہکا لو لیکن؛

اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ﴿۴۲﴾

بے شک، جو میرے حقیقی بندے ہیں ان پر تیرا بس نہ چلے گا تیرا بس تو صرف اُن بہکے ہوئے لوگوں ہی پر چلے گا جو تیری پیروی کریں ۔

اللہ کہتا ہے تم جتنا مرضی بہکالو صرف مُخلَص بندوں پر ہی نہیں بلکہ میرے کسی بندے پر تمہارا کوئی زور نہیں چلے گا۔ پیچھے سورہ ابراہیم میں ہم پڑھ چکے کہ شیطان قیامت کے دن خود اقرار کرے گا کہ میرا تم پر کوئی زور نہیں تھا۔ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ہاں مگر تیرے ہاتھوں میں وہی تر نوالہ بنے گا جو الْغٰوِيْنَ ہو گا۔ جن کے اپنے اندر سرکشی ہو گی۔ جو اپنے طور پر نفس پرستی پر مائل ہوں گے۔ جو خود اپنے ہی پجاری ہوں گے۔ وہ تیرا نام لے کے تیری طرف مائل ہو جائیں گے۔ اب وہ اور تو جہاں مرضی رہو، ہمیں اس کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔

وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۴۳﴾ اور ان سب کے لیے جہنم کی وعید ہے"

مَوْعِدُ اُس جگہ کو کہتے ہیں جس کا وعدہ کیا گیا ہو۔ یعنی جس جگہ تم سب کو پھینکا جائے گا وہ جگہ جہنم ہے۔ وہ جگہ کیسی ہے؟

لَهَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍ ۭ لِكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ ﴿۴۴﴾

یہ جہنم (جس کی وعید پیروان ابلیس کے لیے کی گئی ہے) اس کے سات دروازے ہیں ہر دروازے کے لیے اُن میں سے ایک حصہ مخصوص کر دیا گیا ہے۔

یعنی جہنم کے کا ہر دروازہ داخل ہونے والے جنوں اور انسانوں کے لیے اُنکے گناہوں اور درجوں کے اعتبار سے مخصوص ہے۔ یہ وہ ہیں جو تیرے بہکاوے میں آ جائیں گے لیکن؛

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۭ ﴿۴۵﴾

بخلاف اِس کے متقی لوگ باغوں اور چشموں میں ہوں گے ۔

اُدۡخُلُوۡهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِيۡنَ ﴿۴۶﴾

اور اُن سے کہا جائے گا کہ داخل ہو جاؤ ان میں سلامتی کے ساتھ بے خوف و خطر۔

وَنَزَعۡنَا مَا فِىۡ صُدُوۡرِهِمۡ مِّنۡ غِلٍّ اِخۡوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيۡنَ ﴿۴۷﴾

اُن کے دلوں میں جو تھوڑی بہت کھوٹ کپٹ ہو گی اسے ہم نکال دیں گے، وہ آپس میں بھائی بھائی بن کر آمنے سامنے تختوں پر بیٹھیں گے۔

جو کچھ دلوں میں بُرا ہو گا، کوئی بُرے جذبے، حسد ہم وہ سب نکال دیں گے۔ سورۃ الاعراف آیت 43 میں بھی ہم یہی پڑھ چکے کہ سب رنجشیں، کدورتیں، شکایتیں، سب نکال دیں۔ جب کسی سے ناراضی ہوتی ہے تو انسان اُس سے آنکھیں نہیں ملاتا لیکن چونکہ اہلِ جنت کے دل ایک دوسرے سے بالکل صاف ہوں گے۔ شیشے جیسے صاف دلوں کے ساتھ اپنے بھائیوں سے باتیں کریں گے۔

لَا يَمَسُّهُمۡ فِيۡهَا نَصَبٌ وَّمَا هُمۡ مِّنۡهَا بِمُخۡرَجِيۡنَ ﴿۴۸﴾

اُنہیں نہ وہاں کسی مشقت سے پالا پڑے گا اور نہ وہ وہاں سے نکالے جائیں گے۔

ساری تکلیفیں، محنتیں دنیا میں کر آئے، اب جنت میں کوئی مشکل نہیں۔ اب ہمیشہ وہاں رہیں گے۔ مُخۡرَج ہے۔ یعنی کسی میں جرأت نہیں ہو گی کہ جنتیوں کو جنت میں جانے کے بعد وہاں سے نکالے۔ یہ ساری بات کے بعد لوگوں کو ایک بات سُنا دو کہ؛

نَبِّئۡ عِبَادِىۡۤ اَنِّىۡۤ اَنَا الۡغَفُوۡرُ الرَّحِيۡمُ ۙ ﴿۴۹﴾

اے نبیؐ، میرے بندوں کو خبر دے دو کہ میں بہت در گزر کرنے والا اور رحیم ہوں۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کہتے ہیں کہ تمہارے ندامت بھرے دلوں کے اوپر جب شرمندگی کے آنسو گرتے ہیں تو میں تمہیں معاف کر دیتا ہوں۔ جب تم میرے بندوں کے ساتھ رحم کرتے ہو تو میں تمہارے ساتھ رحم کا معاملہ کرتا ہوں۔ اور اگر ایسا نہیں تو دوسری صورت بھی ہے؛

وَاَنَّ عَذَابِىۡ هُوَ الۡعَذَابُ الۡاَلِيۡمُ ﴿۵۰﴾ مگر اِس کے ساتھ میرا عذاب بھی نہایت دردناک عذاب ہے ۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کہتے ہیں کہ میں غفور الرّحیم ہوں لیکن میرے عذاب بڑے سخت ہیں۔ جو نڈر ہو کے گناہ کرے، جن کے دلوں میں کھوٹ ہو، جو اپنے نفس کو بڑا سمجھے۔ یہی وہ کیفیت ہے جسے ایمان کی تعریف میں شامل کیا گیا۔ ایمان خوف اور اُمید کی بیچ کی چیز کا نام ہے۔ اللہ کی رحمت اور مغفرت کی اُمید ہونا اور اپنے گناہوں کا خوف ہونا۔

پہلے دن اللہ نے حضرت آدمؑ کے قصے میں انسان کی پیدائش کا مقصد سمجھا دیا۔ دوست اور دشمن کا فرق بتا دیا۔ شیطانی رویے بھی سمجھا دیے۔ غلط کام سارے خود کرتا ہے اور باتیں بڑی بڑی کرتا ہے۔ ایسے لوگ دنیا میں آکر شیطان کے پلانز کو ہوا دیتے ہیں۔ کسی نے ایک کوٹیشن شئیر کی۔ شیطان کانپ رہا ہے اور کہہ رہا ہے کہ مجھے ایک ماہ کے لیے قید کیا جا رہا ہے (کیوں کہ رمضان آنے والا ہے) لیکن میرے بچو، تم اپنے کام کرتے رہنا۔ نیچے فیس بُک، یوٹیوب اور کچھ اور تصویریں بنی ہوئی تھیں۔ یعنی ان کا غلط استعمال کرواتے رہنا۔

آپ نے اب تک کی تفسیر بغیر کسی اضافے کے سُنی۔ کس کو یہ ابلیسی رویئے نہیں پتا لیکن پھر بھی وہی کام کرتے ہیں جو شیطان نے کیئے۔ شیطان کا قصور کیا یہ تھا کہ رب کی اطاعت نہیں کر سکا۔ رب کو رب مانتا تھا۔ عبادت بھی کرتا تھا لیکن اطاعت گزار نہیں تھا۔

ایک جملہ بڑا بڑا کر کے لکھ لیں **کہ عبادت کرنا اور بات ہے، اطاعت کرنا اور بات ہے۔**

آج انسانوں میں بھی اکثریت کا یہی حال ہے، عبادت کرتے ہیں لیکن اطاعت کرتے ہوئے فکر میں پڑ جاتے ہیں۔ وہی رب کہتا ہے "وَاَقِیمُ الصلوٰۃ" تو نمازیں پڑھتے ہیں اور وہی کہتا ہے 'چھوڑ دو رِبا یعنی سود کو' تو سوچ میں پڑ جاتے ہیں۔ پانچ وقت کے نمازی، تہجد گزار بھی سود سے اپنے آپ کو پاک نہیں کر پاتے، حرام سے خود کو بچا نہیں پاتے۔ ایک زبان سے ساری باتیں کہتے ہیں۔

ایک ہی حدیث ہے جس میں ہمیں بچے کے ختنے کرنے، عقیقہ کرنے، مونچھیں ترشوانے اور داڑھی چھوڑنے کا حکم دیا گیا۔ اپنی مرضی کی دو سُنتوں کو مان لیتے ہیں باقی کو چھوڑ دیتے ہیں۔ کبھی کوئی یہ نہیں کہے گا کہ ختنے نہیں کروانے یا عقیقہ نہیں کرنا۔ لیکن باقی دو پہ اتنی بحث کرتے ہیں۔ یہ ابلیسیت ہے۔

ہم آگے بھی پڑھیں گے۔ سورۃ بنی اسرائیل میں بھی یہ قصہ آئے گا تو ہم بہت تفصیل سے پڑھیں گے۔ یہاں بتایا جا رہا ہے کہ اے انسان تو اپنی اصل دیکھ، تو ہے کیا۔ اگر تو اُنہی جذبوں میں پڑا رہا جو جسمانی تقاضوں کو پورا کرتے ہیں تو پھر شیطان کا تر نوالہ بنے گا۔ انسان کی اصل پہچان اُس کا اخلاص ہے۔

مخلص بندے پر نہ ماحول کا اثر ہوتا ہے، نہ مشرق اور نہ مغرب کا اثر ہوتا ہے۔ مخلص انسان سونے کی طرح ہوتا ہے۔ جس طرح سونا ہر حال میں فائدہ دیتا ہے اور نقلی چیز عارضی ہوتی ہے۔ وہ اُس وقت تک خوبصورت ہے جب تک ڈبیہ میں بند ہے۔ استعمال کریں تو سو نقص نکلتے ہیں۔ سونا ٹوٹ بھی جائے تو فائدہ ہی دیتا ہے۔

تیرہ پارے پڑھنے کے بعد دیکھیں کہ سونا بنے ہیں یا نہیں۔

شیطان جن لوگوں کے آگے ہارتا ہے وہ عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ہیں۔ تیرے مخلص بندوں پہ میرا کوئی زور نہیں چلے گا۔ اس لیے آج ہم اس کی فکر کریں۔ ہم مخلص بنیں۔ ہم عبادتیں بڑھاتے رہتے ہیں۔ اخلاص نہیں ہوتا، سُنت کے طریقے نہیں ہوتے۔ ہم سپاروں کو گنتے رہتے ہیں۔ میں اور آپ آج کے بعد جس چیز کو بڑھا سکتے ہیں وہ 'اخلاص' ہے۔ اور اخلاص اُس وقت تک سمجھ نہیں آتا جب تک رب کی 'ربوبیت' اور بندے کی 'عبدیت' نہ سمجھ آئے۔

صحیح معنی رمضان میں سمجھ آئے گا۔ ابھی تو لگتا ہے سونے کا پانی چڑھا ہے۔ اندر ابھی بہت کھوٹ کھپٹ ہے۔ یہاں بات ہوئی کہ دلوں کے بغض ختم کریں گے۔ تو یہ دلوں کی گندگی انسان کو نیکیوں سے دور کر دیتی ہے۔ بظاہر ہمیں لگتا ہے کہ ہمارا دل صاف ہے۔ لیکن جب دل میں میل ہوتا ہے تو اللہ ہمیں کسی نہ کسی نیکی سے محروم کر دیتا ہے۔ ایک رات ایک صحابی کی تہجد قضا ہوئی تو رونے لگے۔ لوگوں نے کہا کہ چُپ کر جاؤ، کوئی بات نہیں۔ کہنے لگے نہیں، میں تہجد کی قضا پہ نہیں رو رہا وہ تو نفل تھے، میں تو اپنا گناہ ڈھونڈ رہا ہوں جس کی وجہ سے میں اس یہ نیکی سے محروم ہو گیا۔

ابنِ مسعودؓ سے کسی نے پوچھا کہ آپ لوگ رمضان کو کیسے خوش آمدید کہتے تھے۔ آپ کہنے لگے کہ ہم میں سے کوئی ایسا نہیں تھا جو رمضان کا چاند دیکھتا، تو اُس کے دل میں کسی دوسرے مسلمان کے بارے میں ذرہ برابر بھی کوئی منفی جذبہ ہوتا۔ ہم میں سے کوئی یہ کہہ سکتا ہے۔ ہمیں نمازوں، تہجدوں نے کیا دینا ہے اگر دل میں میل ہو گا۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اپنے دل کو دنیا میں ہی صاف کر لیں۔ پھر جنت میں جا کے جو ہونا ہے وہ یہیں ہو جائے گا۔ انسان کن چیزوں سے مخلص ہوتا ہے۔

1۔ شرک سے

2۔ ریاکاری سے

3 تعریف و تنقید سے۔ پیچھے سورۃ رعد میں پڑھ چکے ہیں کہ جب کسی دھات کو بھٹی میں ڈالا جاتا ہے تو خالص چیز الگ ہو جاتی ہے۔ ہر بندہ شیطان کے پھندے میں ہے لیکن مخلص پر شیطان کا زور نہیں چلتا۔ ایک راستہ ہے جس سے شیطان لوگوں کو بہت جلد پھانس لیتا ہے اور وہ ہے دوسروں کی تعریفوں میں آجانا۔ اور ایک دوسرا راستہ بھی ہے کہ لوگوں کی تنقید کے جواب میں اللہ کے راستے سے دور ہو جانا۔

ہمیں اللہ سے یہ دعا کرنے کی ضرورت ہے کہ اللہ ہمارے دلوں کو دوسروں سے اتنا بے نیاز کر دے کہ ہم دوسروں وک دیکھنے کی بجائے اللہ کو دیکھیں کہ وہ ہمارے ساتھ کیا معاملہ کرتا ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ کون سا غِل' تھا جسے اللہ تعالیٰ نے دلوں سے دور کرنے کی بات کی ہے۔ تو انسانوں کی بیچ میں رہتے ہوئے سگے رشتوں میں بھی ایک دوسرے کے لیے غِل آتا ہے، آسکتا ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ ایسا نہ ہو لیکن اللہ سبحانہ و تعالیٰ کہتے ہیں کہ اسے ساتھ لے کے نہ پھرو۔ جب دلوں میں غِل آجائے تو

اُسے دوسری طرف کر دو۔ انسانی تعلق کبھی ایک جیسے نہیں رہتے۔ کبھی جو بہت پیارا ہوتا ہے ایک دم اُس سے دل کھٹا ہو جاتا ہے، کبھی مزاج ایک دوسرے کے خلاف ہوتے ہیں۔ غلط فہمیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ خواہ مخواہ غلط فہمیاں آجاتی ہیں۔ شیطان اسے راستے سے انسان کو پکڑتا ہے کہ اس کو دوسرے سے کاٹو تاکہ میرا ذور چلے۔ نتیجہ کیا ہوتا ہے کہ شیطان کے ہاتھوں میں آجاتے ہیں۔

اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ ہمارے دلوں کو پاک کر دے۔ (آمین)

لفظ سُرُر، سریر کی جمع ہے۔ دلہن کی مسہری کو کہتے ہیں۔ اونچی مسند۔ عربوں میں لوگ عموماً فرشوں پہ بیٹھتے تھے۔ اُن کے لیے تو یہ بات ہی بہت بڑی تھی کہ جنت میں کاؤچز اور صوفے اور آرام دہ سیٹیں ہوں گی۔

صحیح بخاری اور مسلم کی روایت ہے، اللہ کے نبیؐ نے فرمایا کہ مجھے حکم ہوا کہ حضرت خدیجہؓ کو جنت میں سونے کے محل کی خوش خبری دے دو۔ جس میں نہ شور و شغف ہو گا، نہ کوفت ہو گی اور نہ تھکن ہو گی۔ کوئی وہاں سے نکالا نہ جائے گا۔ یہ وہ جنت ہے جس میں جنتیوں کو بھیجا جا رہا ہے۔

روایت میں آتا ہے کہ جنتیوں کو جنت میں بھیجنے کے بعد کہا جائے گا کہ تم یہاں ہمیشہ رہو، اور تمہیں یہاں سے کبھی بھی نکالا نہیں جائے گا۔ تم کبھی بیمار نہیں ہو گے۔ ہمیشہ تندرُست رہو گے۔ تمہیں کبھی بڑھاپا نہیں آئے گا۔ تم ہمیشہ جوان رہو گے۔

یہ سب تو وہاں ہو گا لیکن ہم آج کی بات کرتے ہیں۔ اُس جنت کو پانے کے لیے اس دنیا میں کچھ نہ کچھ قربانیاں تو دینی پڑیں گی۔